تفسیر، حدیث، فقہ، تصوّف اور اسرار شریعت کا حسین مجموعہ
ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا

جلد سوم

احیاء علوم الدین

جدید اور با محاورہ سلیس ترجمہ

مذاق العارفین

مُصنّف
حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالیؒ
جدید ترجمہ: مولانا ندیم الواجدی فاضل دیوبند

دار الاشاعت
اردو بازار، کراچی ۱ فون ۲۶۳۱۸۶۱

باہتمام: خلیل اشرف عثمانی

طباعت: شکیل پرنٹنگ پریس

ناشر: دارالاشاعت کراچی

ضخامت: صفحات

باسمہ تعالیٰ

میں ندیم الواجدی ولد واجد حسین ساکن دیوبند ضلع سہارنپور
یوپی بھارت نے احیاء علوم الدین اصل تصنیف عربی میں ہے، مصنفہ
حضرت امام غزالیؒ ہیں کا ترجمہ اردو میں جدید انداز سے کیا ہے، اور دیوبند سے
چھ جلدوں میں شائع کیا ہے۔ میں اس کی کاپی رائٹ پاکستان کے لئے خلیل اشرف
عثمانی مالک دارالاشاعت اردو بازار کراچی کو برضا منتقل کر رہا ہوں تاکہ وہ
اسے کمپیوٹر کتابت سے آراستہ کرکے جدید اور معیاری انداز سے شائع کریں گے

ownership of copy right خلیل اشرف صاحب پاس ہوں گے، وہ اور پاکستان میں
چاہیں تو کاپی رائٹ آفس میں اپنے نام رجسٹرڈ کرا سکتے ہیں مجھے کوئی اعتراض
نہیں ہوگا۔

ندیم الواجدی
مترجم احیاء العلوم و مالک دارالکتاب دیوبند
یوپی۔ انڈیا

ملنے کے پتے

بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن گارڈن ایسٹ لسبیلہ کراچی
ادارۃ المعارف کورنگی کراچی
مکتبہ دارالعلوم دارالعلوم کورنگی کراچی
ادارۂ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی۔ لاہور
بیت العلوم ۲۶ نابھہ روڈ انارکلی لاہور

کشمیر بکڈپو چنیوٹ بازار فیصل آباد
مکتبہ سید احمد شہید: اردو بازار لاہور
مکتبہ رحمانیہ: ۱۸۔ اردو بازار لاہور
کتب خانہ رشیدیہ: راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی: خیبر بازار پشاور
مکتبہ امدادیہ: ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان

فہرست مضامین

جلد سوم

آخرت کا راہ رو دنیا سے قریب نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ۔ (پ ۱۱ ر ۶ آیت ۷)

جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں اور وہ دُنیوی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں اور جو لوگ ہماری آیتوں سے بالکل غافل ہیں۔

ایک جگہ فرمایا:

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ (پ ۲۱ ر ۴ آیت ۷)

یہ لوگ صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے بے خبر ہیں۔

نیز فرمایا:

فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلَّىٰ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ (پ ۲۷ ر ۶ آیت ۲۹۔ ۳۰)

تو ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹا لیجئے جو ہماری نصیحت کا خیال نہ کرے اور بجز دنیوی زندگی کے اس کا کوئی اُخروی مقصود نہ ہو ان لوگوں کے فہم کی رسائی بس یہی ہے۔

دین و دنیا کے امور میں کمال صرف ان لوگوں کو حاصل ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے معاش و معاد کی تدابیر کا علم عطا فرمایا۔ یہ لوگ انبیاء کرام کے علاوہ دو سرے نہیں ہو سکتے' رُوح القدس کے ذریعہ ان کی تائید ہوتی ہے' اور قوت الہیہ سے انہیں مدد ملتی ہے جس کے دائرۂ اختیار میں ہر چیز ہے' عام لوگوں کے قلب کا حال یہ ہے کہ اگر وہ دنیاوی امور میں منہمک ہوں گے تو آخرت کے امور میں کمال سے محروم رہ جائیں گے' اور آخرت میں مشغول ہوں گے تو دنیاوی امور ان کی دسترس سے باہر ہو جائیں گے۔

تعلّم اور الہام کا فرق

علمائے کرام اور صُوفیائے عِظام کے اختلاف کی حقیقت

غیر بدیہی علوم کا دل میں آنا مختلف طریقوں پر ہوتا ہے' کبھی یہ علوم دل پر اس طرح ہجوم کرتے ہیں گویا کسی نے بے خبری میں ڈال دیئے ہوں' اور کبھی استدلال اور تعلّم کے ذریعہ حاصل کئے جاتے ہیں۔ اول الذکر علوم کو الہام اور ثانی الذکر کو اعتبار اور استبصار کہتے ہیں۔ پہلے علم کی دو قسمیں ہیں' ایک یہ کہ بندے کو اس ذریعۂ علم کی اطلاع نہ ہو اسے الہام اور نفخ فی القلب کہتے ہیں' دو سری قسم یہ ہے کہ وہ سبب معلوم ہو جائے جس کے ذریعہ علم حاصل ہو رہا ہے' یعنی وہ فرشتہ نظر آ جائے جو دل میں القاء کرتا ہے' اسے وحی کہتے ہیں' پہلی قسم اولیاء اور اصفیاء کے ساتھ' اور دو سری قسم انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے' اور استدلال و تعلیم کے ذریعہ حاصل کیا جانے والا علم علماء کے ساتھ مخصوص ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آدمی کا دل اس کی صلاحیت رکھتا ہے کہ اس میں اشیاء کی حقیقتیں واضح ہو جائیں' جن دلوں میں یہ صلاحیت باقی نہیں رہتی اس کے وہی پانچ اسباب ہوتے ہیں جن کا ذکر سابق میں کیا جا چکا ہے' یہ اسباب آئینۂ قلب اور لوح محفوظ کے

درمیان حجاب بن جاتے ہیں۔ لوح محفوظ میں وہ تمام امور لکھے ہوئے ہیں جن کا ازل میں فیصلہ ہو چکا ہے' اس لوح کے آئینے سے قلب کے آئینے میں حقائق کا جلوہ گر ہونا ایسا ہی ہے جیسے ایک آئینہ کا عکس دوسرے میں نظر آجاتا ہے۔ موانع کی بناء پر قلب کا ان حقائق سے محروم رہ جانا ایسا ہی ہے جیسے دو آئینوں کے درمیان حجاب آجائے نیز جس طرح ہاتھ وغیرہ سے حجاب ہٹا دیا جاتا ہے اسی طرح لوح محفوظ اور آئینۂ قلب کے درمیان واقع حجاب بھی باری تعالیٰ کی نسیم رحمت سے ہٹ جاتا ہے' اور وہ حقائق نظر آنے لگتے ہیں جو لوح میں محفوظ ہیں' یہ صورت کبھی خواب میں پیش آتی ہے' اور مستقبل کے احوال سامنے آجاتے ہیں' حجاب کا مکمل ارتفاع صرف موت ہی سے ہوتا ہے' موت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے تمام مخفی امور واضح ہو جاتے ہیں' اور بصیرت کے تمام حجابات دور ہو جاتے ہیں' بعض اوقات بیداری کی حالت میں حقائق نظر آتے ہیں' اور باری تعالیٰ کے لطف و کرم کے طفیل حجاب اُٹھ جاتا ہے' نتیجے میں غیب کے پردے سے علوم کے عجائبات کے انوار ظاہر ہوتے ہیں بعض اوقات بجلی کی چمک کی طرح چند لمحوں کے لیے۔ اور کبھی مسلسل اور مستقل۔ لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ الہام اور اکتساب میں نہ علم کے اعتبار سے فرق ہے اور نہ محل علم کے اعتبار سے۔ اگر کوئی فرق ہے تو صرف اس قدر کہ الہام میں حجاب زائل ہو جاتا ہے' اور اکتساب میں حصول کے ذرائع استعمال کرنے پڑتے ہیں حجاب کا دور ہونا بندے کے اختیار میں نہیں ہے۔ اس طرح وحی اور الہام میں بھی صرف اس قدر فرق ہے کہ الہام میں القاء کرنے والا نظر نہیں آتا' اور وحی میں نظر آجاتا ہے۔ علم چاہے وحی سے حاصل ہو یا الہام سے ہر حال میں فرشتوں کے ذریعہ ہی حاصل ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ (پ ۲۵ ر ۶ آیت ۵۱)

اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرماوے مگر (تین طریقوں سے ہے) یا تو الہام سے' یا حجاب کے باہر سے' یا کسی فرشتے کو بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچا دیتا ہے۔

یہاں یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ صوفیائے کرام الہامی علوم کی طرف میلان رکھتے ہیں' تعلیمی امور کی طرف راغب نہیں ہوتے' یہی وجہ ہے کہ نہ وہ درس و تدریس میں وقت لگاتے ہیں' نہ مصنفین کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں' اور نہ اقوال و دلائل سے بحث کرتے ہیں' بلکہ وہ یہ کہتے ہیں اولاً مجاہدہ کرنا چاہئے' مذموم صفات کا قلع قمع کرنا چاہئے' اور تمام علائق کا خاتمہ کر کے ہمہ تن باری تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے۔ جب یہ بات حاصل ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ خود اپنے بندے کے قلب کے نگراں' اور اس کے لیے انوار علم کے کفیل ہو جائیں گے۔ اور اس پر سایۂ رحمت ہو گا' قلب میں نور چمکے گا' شرح صدر حاصل ہو گا۔ اور قلب کے آئینے سے حجاب زائل ہو جائے گا' اس میں الٰہی امور کے حقائق کا عکس پڑنے لگے گا' بندے پر صرف اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے قلب کا تزکیہ کر کے قبول حق کی صلاحیت پیدا کرے' اور عزم کامل اور ارادۂ صادق کے ساتھ اپنی ہمت مجتمع رکھے' اور رحمت الٰہی کی تشنگی لئے ہمیشہ منتظر رہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء اللہ پر جو امور منکشف ہوتے ہیں' اور ان کے دلوں میں جو نور پھیلتا ہے اس کی وجہ تعلیم و تعلم' اور مطالعہ و کتابت میں ان کی مشغولیت نہیں ہے' بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں زہد اختیار کرتے ہیں' علائق منقطع کر لیتے ہیں' اور دنیاوی امور سے اعراض کر کے بتمام ہمت و ارادۂ باری تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں' کیوں کہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے' اللہ اسکا ہو جاتا ہے' صوفیاء کا ایک مقولہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بننے کے لیے اولاً تمام دنیاوی علائق سے بالکلیہ منقطع ہونا ضروری ہے' اس کے بعد اپنے قلب کو فارغ کرے اور اہل' اولاد' مال' وطن' علم اور جاہ و حکومت سے اپنی توجہ ہٹالے' اور دل کو ایسی حالت پر لے آئے جس میں کسی چیز کا وجود اور عدم دونوں برابر ہو جاتے ہیں' گوشہ نشین ہو جائے' ضروریات فرائض و واجبات اور وظائف پر کفایت کر کے ماسوی اللہ سے اپنے دل کو خالی کر لے' یہاں تک کہ قرآن پاک کے معانی' اور احادیث کی کتابوں میں بھی غور و فکر کر کے اپنے قلب کی یکسوئی میں خلل نہ ڈالے' بلکہ یہ کوشش کرے

کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسری بات نہ آئے' جب خلوت و جلوت میں ہر وقت زبان پر یہی کلمہ رہے اللہ' اللہ۔ لیکن یہ کلمہ حضورِ قلب کے ساتھ ادا ہو' اس اسم پاک کا ورد اتنی کثرت سے ہونا چاہئے کہ اگر زبان سے حرکت نہ بھی ہو تب بھی یہی معلوم ہو کہ زبان اس کا ورد کر رہی ہے جب اس حالت پر پہنچ جائے تو زبان سے اس کلمے کا اثر مٹا دے' اور قلب کے ذکر پر مواظبت کرے یہاں تک کہ قلب سے بھی حروف کی ساخت' اور لفظ کی مجموعی ہیئت او جھل ہو جائے اور معنیٰ ہر وقت موجود رہیں گویا قلب اور معنیٰ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہوں' بندے کو اس حد تک پہنچنے کا اختیار حاصل ہے' نیز اسے یہ بھی اختیار ہے کہ اس حالت کو دائمی بنانے کے لیے وہ غیر اللہ کے وسوسوں کو دفع کر سکتا ہے' البتہ اسے رحمتِ الٰہی کی جذب و کشش کا اختیار نہیں ہے' تاہم اس حالت سے اس کے اندر یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو اپنی طرف کھینچ سکے۔ اس درجے پر پہنچنے کے بعد بندے کو باری تعالیٰ کی فتوحات رحمت کا منتظر رہنا چاہئے کہ جس طرح اس نے انبیائے کرام اور اولیاء پر فتوحات فرمائیں اس پر بھی فرمائے گا۔ اس صورت میں اگر اس کا ارادہ سچا ہوا' ہمت صحیح ہوئی' حسنِ مواظبت پایا گیا' شہوات سے بچا رہا' اور دنیاوی علائق کی کوئی بات اس کے دل میں نہیں گذری تو قلب میں حق کے لوامع چمکنے لگیں گے' ابتدا میں بجلی کی طرح چند لمحوں کے لیے' دوبارہ بھی ایسا ہی ہو گا۔ بعض اوقات تاخیر بھی ہو گی' تاخیر سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے' رفتہ رفتہ وہ لوامع قلب میں ٹھہرنے لگیں گے' کبھی ٹھہرنے کی مدت اتنی کم ہو گی کہ تشنگی کا احساس ہو گا' اور کبھی یہ مدت زیادہ ہو گی' کبھی قلب پر لوامع پے بہ پے چمکیں گے اس سلسلے میں اولیاء اللہ کے اتنے مختلف اور متفاوت درجات ہیں کہ تصوّر نہیں کیا جا سکتا' جس طرح مخلوق کے تفاوت اور ان کے اخلاق کے تفاوت کا تصوّر کرنا مشکل ہے۔

اس گفتگو کا ماحصل یہ نکلا کہ قلب کا جلا اور تصفیہ بندے کی ذمّہ داری ہے' استعداد اور انتظار بھی اسی کے فرائض میں ہے۔ علماء ظاہر بھی اس طریقے کے منکر نہیں ہیں' کیوں کہ اکثر انبیاء اور اولیاء اللہ کے یہی احوال ہیں۔ لیکن وہ اس طریقے کو مشکل سمجھتے ہیں' ان کے خیال میں اس طریقے پر عمل پیرا ہونے کے بعد نتائج و ثمرات کا دیر تک انتظار کرنا پڑتا ہے' اس طریقے میں جو شرائط لگائی گئی ہیں ان کی پابندی آسان نہیں ہے' اول تو تمام دنیاوی علائق سے اس طرح بے نیاز ہونا مشکل ہے' اگر مجاہدے سے ایسا ہو بھی جائے تو اس کی بقا دُشوار ہے' اس لیے کہ معمولی سے وسوسے قلب کا سکون درہم برہم کر دیتے ہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

قلب المؤمن اشد قدرا فی غلیانها۔ (احمد' حاکم۔ مقدار ابن اسودؓ)
مؤمن کا دل ہانڈی کے اُبال سے بھی زیادہ اُبلتا رہتا ہے۔

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:۔

قلب المؤمن بین اصبعین من اصابع الرحمٰن (عبداللہ ابن عمرؓ)
مؤمن کا دل ہانڈی کے اُبال سے بھی زیادہ اُبلتا رہتا ہے۔

اس مجاہدے کے دوران کبھی مزاج فاسد ہو جاتا ہے' عقل خبط ہو جاتی ہے' صحت گر جاتی ہے اور طرح طرح کے امراض بدن کا احاطہ کر لیتے ہیں' اگر پہلے کا علم حاصل کر کے نفس کی ریاضت اور تہذیب نہیں کی جاتی تو دل میں طرح طرح کے خیالاتِ فاسدہ جمع ہو جاتے ہیں' اور نفس انہیں دور کئے بغیر زندگی بھر ان فاسد خیالات میں الجھا رہتا ہے' عمر گزر جاتی ہے' اور کامیابی دروازے پر دستک نہیں دیتی۔ بہت سے صوفیوں نے یہ راستہ اپنایا' اور آگے چل کر کسی ایک خیال میں اس طرح الجھے کہ بیس برس گزر گئے اور ایک قدم بھی آگے کی طرف نہ اٹھا سکے' اس وقت خیال آیا کہ اگر پہلے سے علم حاصل کر لیتے تو یہ بیس برس ضائع نہ جاتے' اس خیال کا فساد پہلے ہی روز منکشف ہو جاتا۔ معلوم ہوا کہ تعلیم کی راہ سے سلوک کی وادی میں قدم رکھنا معتبر بھی ہے اور مقصود سے قریب تر بھی ہے۔ علماء ظاہر کا خیال یہ ہے کہ صوفیوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص فقہ نہ سیکھے اور یہ کہے کہ آنحضرتؐ نے فقہ کا

علم حاصل نہیں کیا تھا آپ وحی اور الہام کے ذریعہ فقیہہ بنے تھے، میں بھی ریاضت پر مداومت اور مجاہدے پر ثبات کی وجہ سے ایسا ہی ہو جاؤں گا اور مجھے بھی ان ذرائع سے فقہ کا علم حاصل ہو جائے گا۔ اس طرح کے فاسد خیالات میں مبتلا شخص بلاشبہ اپنے نفس پر ظلم کر رہا ہے، اور اپنی عمر کے قیمتی لمحات ضائع کرنے میں مصروف ہے، یہ صوفی اس شخص کی طرح ہے جو نہ کھیتی کرے، اور نہ کسی کام کو ہاتھ لگائے اور توقع یہ رکھے کہ کہیں سے خزانہ ہاتھ آجائے، ایسا ہونا ممکن ہے ضروری تو نہیں کامیابی کے امکانات حد درجہ کم ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ صوفی کو اولاً علم حاصل کرنا چاہئے اور علماء کے اقوال کے معانی سمجھنے چاہئیں، اس کے بعد ان علوم کا منتظر رہنا چاہئے جن سے علماء ظاہر بے بہرہ ہیں، عجب نہیں کہ مجاہدہ و ریاضت سے یہ علوم منکشف ہو جائیں۔

محسوس مثالوں کے ذریعہ دونوں مقامات کا فرق

قلب کے عجائبات کا ادراک حواس کے دائرۂ اختیار سے خارج ہے، خود قلب بھی حواس کے ذریعہ ادراک کی جانے والی چیز نہیں ہے، نیز جو چیز حواس کے ذریعہ معلوم نہیں ہوتی، ضعیف عقلیں اس کے سمجھنے سے قاصر رہتی ہیں، اور جب تک اسکی کوئی ایسی مثال نہ بیان کی جائے جس کا تعلق عالم محسوس سے ہو اس وقت تک وہ چیز اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتی، ایسے ہی ضعیفُ العقل لوگوں کو سمجھانے کے لیے ہم مذکورہ بالا دونوں مقامات کی دو حسی مثالیں بیان کرتے ہیں۔

پہلی مثال : فرض کیجئے کہ زمین میں ایک حوض کھُدا ہوا ہے، اس میں پانی پہنچانے کے دو طریقے ہیں ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کے چاروں طرف نالیاں بنادی جائیں اور کسی جگہ سے ان نالیوں میں پانی چھوڑ دیا جائے اور یہ پانی حوض میں جمع ہو جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ زمین کا زیریں حصہ اتنا کھودا جائے کہ پانی خود بخود نکل آئے۔ دوسرے طریقے سے حاصل ہونے والا پانی صاف بھی زیادہ ہوگا، زیادہ دیر تک باقی بھی رہے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مقدار میں بھی زیادہ ہو۔ اس مثال کی روشنی میں قلب کو حوض سمجھنا چاہئے علم کو پانی اور حواسِ خمسہ کو نالیاں تصور کرنا چاہئے۔ قلب تک علم کی رسائی حواسِ خمسہ کے ذریعہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس قدر مشاہدات ہوں قلب میں آجائیں، اور قلب علوم سے لبریز ہو جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ خلوت اور عزلت کے ذریعہ ان نالیوں کو بند کر دیا جائے یعنی حواسِ خمسہ کو حصول علم میں استعمال نہ کیا جائے، اور قلب کے "حوض" کو گہرا کیا جائے یہاں تک کہ خود اس کے اندر سے علم کے چشمے پھُوٹ پڑیں، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ قلب کی خوب تطہیر کی جائے، اور اس سے حجاب کے پردے اٹھادیئے جائیں۔

رہا یہ سوال کہ جب قلب میں علم کا وجود ہی نہیں ہے تو اس کے چشمے کس طرح جاری ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا تعلق عجائبات سے ہے، علم معاملہ کی مناسبت سے اس سوال کے جواب میں صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ حقائق اشیاء لوح محفوظ بلکہ ملائکہ مقربین کے قلوب میں نقش ہیں، جس طرح کسی مکان کی تعمیر سے پہلے انجینئر ایک نقشہ تیار کرتا ہے، اور اس نقشے کی روشنی میں مکان کی تعمیر کراتا ہے اسی طرح خالقِ ارض و سماء نے بھی دنیا کی ان تمام چیزوں کا نقشہ بنالیا ہے جو ازل سے ابد تک وجود میں آتی رہیں گی، یہ نقشہ لوح محفوظ میں محفوظ ہے، دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اسی کے مطابق ہو رہا ہے، اس نقشے کا کسی دل میں منعکس ہونا بعید نہیں ہے، چنانچہ جب کوئی چیز ایک بار عالم وجود میں آجاتی ہے تو اگرچہ وہ باقی نہ رہے لیکن حس و خیال کے ذریعہ اس کی شکل و صورت کا تصور کر لیا جاتا ہے، مثلاً اس ظاہری عالم کی طرف دیکھ کر کوئی شخص اپنی آنکھیں بند کر لے تو زمین و آسمان کی صورت حِس و خیال میں موجود ہوگی، اور ایسا محسوس ہوگا گویا وہ ابھی تک انہیں دیکھ رہا ہے، بالفرض اگر زمین و آسمان فنا ہو جائیں اور صرف دیکھنے والا باقی رہ جائے تب بھی وہ ان کی خیالی صورت سے محروم نہیں ہوگا۔ اس خیال کا اثر قلب پر مرتب ہوتا ہے، اور اس میں اشیاء کے وہ حقائق آجاتے ہیں جو حِس و خیال میں موجود تھے، دل میں جو کچھ آتا ہے وہ اسی خیالی صورت کے مطابق ہوتا

ہے' اور خیالی صورت کسی چیز کی حقیقی اور ظاہری صورت سے مشابہ ہے' اور یہ ظاہر کی صورت لوح محفوظ میں موجود نقشے کے مطابق ہے۔

وجود کی قسمیں : اس سے معلوم ہوا کہ موجوداتِ عالم کے چار درجے ہیں' ایک وہ وجود ہے جو لوح محفوظ میں ہے' یہ وجود جسمانی وجود سے مقدّم ہوتا ہے' دوسرا وجودِ حقیقی ہے' یعنی وہ وجود جو دنیا میں ہوتا ہے' تیسرا وجودِ خیالی ہے' اس سے مراد وہ وجود ہے جس کی صورت حقیقی وجود کے بعد فکر و خیال میں آتی ہے' چوتھا وجودِ عقلی ہے' یعنی وہ صورت جو خیالی وجود کے بعد قلب میں آتی ہے' ان چاروں وجودوں میں سے بعض روحانی ہیں' اور بعض جسمانی' روحانی موجودات میں بھی تفاوت ہے' بعض میں روحانیت زیادہ ہے' اور بعض میں کم۔ یہ سب امور اللہ تعالیٰ کی حکمت کے عجائب ہیں' دیکھئے اللہ تعالیٰ نے آنکھ کا حلقہ کتنا مختصر بنایا ہے' مگر وہ اپنے حجم کی تنگی کے باوجود زمین و آسمان اور دوسری چیزوں کی وسعتیں سمیٹ لیتی ہے' یہ قاعدہ ہے کہ جب تک کسی کے پاس کوئی چیز نہیں پہنچتی اس وقت تک اسے خبر نہیں ہوتی۔ چنانچہ اگر باری تعالیٰ نے عالم کی موجودات کی مثالیں اور صورتیں تمہارے دل میں نہ بنادی ہوتیں تو تمہیں کسی چیز کا علم بھی نہ ہوتا۔ یہ رب عظیم کی قدرت کاملہ کا ادنیٰ نمونہ ہے کہ اس نے آنکھوں اور دلوں میں عجائبات کے اتنے وسیع خزانے و دیعت فرما دیئے ہیں۔ اور عبرت کے لیے بعض دلوں کو بصیرت سے اور بعض آنکھوں کو بصارت سے محروم فرما دیا ہے' یہاں تک کہ اکثر لوگوں کے دل اتنے بے بہرہ ہیں کہ نہ انہیں اپنے نفسوں کے عیوب کی خبر ہے اور نہ عجائبات کی اطلاع ہے۔

اس تمہید کے بعد اب ہم پھر اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں' بات یہ چل رہی تھی کہ دل میں کسی شئی کا وجود حواس کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے اور لوح محفوظ سے بھی' جس طرح آنکھوں میں آفتاب کی صورت کبھی اس کی طرف دیکھ کر آتی ہے' اور کبھی پانی میں اس کا عکس دیکھ کر' یہ عکس اصل آفتاب کے مشابہ ہی ہوتا ہے' اسی طرح جب دل اور لوح محفوظ کے درمیان سے حجابات اُٹھ جاتے ہیں تو اشیاء کے حقائق منعکس ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا علم اس میں آجاتا ہے' اس صورت میں دل کو اپنے حواس سے اَخذ و استفادے کی ضرورت باقی نہیں رہتی' قلب میں علم کو اس طریقے پر آنا ایسا ہی ہے جیسے زمین کے اندر سے پانی کے چشمے اُبل پڑیں اور حوض بھر جائے۔ بعض اوقات دل ان خیالات کی طرف متوجہ رہتا ہے جو اسے محسوسات کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں' یہ خیالات لوح محفوظ سے مانع بن جاتے ہیں' چنانچہ جب نہر میں پانی جمع ہو جاتا ہے تو نیچے سے نہیں نکلتا۔

قلب کے دو دروازے : قلب کے دو دروازے ہیں' ایک دروازہ عالم ملکوت یعنی لوح محفوظ اور عالم ملائکہ کی طرف کھلتا ہے' اور ایک دروازہ حواسِ خمسہ کی جانب کھلتا ہے جو عالم الملک و الشہادہ یعنی عالم ظاہر سے خبریں حاصل کرتے ہیں' ان دونوں عالموں میں یک گونہ تعلق ہے' جہاں تک حواسِ خمسہ کی جانب دروازہ کھلنے کا تعلق ہے وہ معلوم ہی ہے مگر عالم ملکوت یعنی لوح محفوظ کی طرف دروازہ کھلنا بھی غیر یقینی چیز نہیں ہے' خواب کی حالت پر نظر ڈالئے کہ آدمی کس طرح عجائبات کا مشاہدہ کرتا ہے' بعض لوگوں کو خواب میں مستقبل کے حالات اور ماضی کے واقعات بتلا دیئے جاتے ہیں' حالانکہ خواب میں حواس کو دخل نہیں ہوتا۔ لیکن یہ دروازہ صرف ان ہی لوگوں کے لیے کھلتا ہے جو ذکر خداوندی میں منفرد ہوں۔ یعنی اللہ کے ذکر میں اس طرح مستغرق ہو گئے ہوں کہ ماسوئی اللہ سے انہیں کوئی واسطہ ہی نہ رہا ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

سبق المفردون' قیل ومن هم المفردون یا رسول الله' قال المتنزهون بذکر الله تعالیٰ' وضع الذکر عنهم اوزارهم فوردوا القیامة خفافا

مفرد لوگ آگے بڑھ گئے' عرض کیا گیا یا رسول اللہ! مفرد کون لوگ ہیں' فرمایا وہ لوگ جو اللہ کے ذکر کے باعث پاک و صاف ہو گئے' ذکر نے ان کے گناہوں کا بوجھ ہلکا کر دیا اور وہ قیامت کے روز ہلکے پھلکے آئے۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی تعریف میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ارشاد فرمایا کہ پھر میں اپنے چہرے کو ان کی طرف کر کے متوجہ ہوتا ہوں، تمہیں معلوم ہے کہ میں کس کی طرف اپنا چہرہ کر کے متوجہ ہوتا ہوں، اور کوئی جانتا ہے کہ میں ان کو کیا دینا چاہتا ہوں، سب سے پہلے ان کے لیے میری عطاء یہ ہوتی ہے کہ میں ان کے دلوں میں نور ڈال دیتا ہوں، پھر وہ میرے حال کی اس طرح خبر دینے لگتے ہیں جس طرح میں ان کا حال جانتا ہوں۔ ان خبروں کا مدخل وہی باطنی دروازہ ہے جس کا ابھی ذکر کیا گیا۔

انبیاء اور اولیاء کے علوم اور علماء اور حکماء کے علوم میں یہی ایک فرق ہے کہ علومِ نبوت قلب کے اندر کھلنے والے اس دروازے سے آتے ہیں جس کا رُخ عالمِ ملکوت کی طرف ہے، اور علومِ حکمت حواس کے ان دروازوں سے قلب میں داخل ہوتے ہیں جو عالم ظاہر کی طرف کھلے ہوئے ہیں۔ اس مثال سے دونوں عالموں کا فرق واضح ہو گیا ہے۔ جہاں تک عالم غیب و شہادت سے تعلق رکھنے والے عجائبات کا تعلق ہے وہ اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا حصر نہیں کیا جا سکتا۔

<u>دوسری مثال</u> : اس مثال کے ذریعہ ہم علماء اور اولیاء کے علوم کا فرق بیان کرنا چاہتے ہیں، علماء نفسِ علوم کے حصول کی جدوجہد کرتے ہیں، اور اسے اپنے دل کی طرف کھینچتے ہیں، اور اولیاء (صوفیاء) قلب کے تزکیہ و تطہیر اور جلاء و صیقل میں مصروف رہتے ہیں، بیان کیا جاتا ہے کہ کسی بادشاہ کے سامنے رومیوں اور چینیوں نے اپنے اپنے فن تعمیر و نقاشی کی بڑی تعریف کی، اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے کا دعویٰ کیا، بادشاہ کا خیال گذرا کہ اسے دونوں ملکوں کے ماہرین فن کو اپنے اپنے فن کی نمائش کا موقع دینا چاہئے۔ طے یہ ہوا کہ ان دونوں کو ایک عمارت نقاشی کے لیے سپرد کی جائے، ایک حصہ پر چینی نقش بنائیں، اور دوسرے پر رومی، دونوں کے درمیان حجاب ہو تاکہ ایک فریق کو دوسرے فریق کے کام کی اطلاع نہ ہو سکے، دونوں فریقوں کو کام بتلا دیا گیا، رومی بے شمار عجیب و غریب رنگ لے کر آئے، جب کہ چینی رنگ لئے بغیر اندر گئے اور عمارت کے اس حصے کو صیقل کرنے لگے جو ان کے سپرد کیا گیا تھا۔ جب رومیوں نے اپنے کام کی تکمیل کا اعلان کیا تو چینی بھی یہ کہہ کر باہر نکل آئے کہ ہمارا کام بھی ختم ہو چکا ہے، بادشاہ کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیسی نقاشی تھی کہ جس میں نہ رنگ کی ضرورت پیش آئی نہ روغن کی، انہوں نے عرض کیا کہ بادشاہ سلامت پہلے پردہ اٹھانے کا حکم دیں، پردہ اٹھایا گیا تو رومیوں کے لگائے ہوئے تمام رنگ چینیوں کی طرف چمکنے لگے، بلکہ ان کی چمک کچھ زیادہ ہی ہو گئی کیوں کہ انہوں نے عمارت کو اتنا صیقل کیا تھا کہ دیواریں چمکدار اور صاف شفاف آئینے کی طرح نکھر گئیں تھیں۔ یہی حال اولیاء اللہ کا ہے کہ وہ چینیوں کی طرح اپنے قلوب کا اس قدر تزکیہ کرتے ہیں اور اتنا صیقل کرتے ہیں کہ ان میں حق چمکنے لگتا ہے، حکماء اور علماء کی توجہ اکتساب فن اور نقوش کی طرف رہتی ہے۔

حصولِ علم کی جو بھی صورت ہو، اگر قلب میں علم کا نور ہے تو اس کے لیے فنا نہیں ہے، علم موت سے ختم نہیں ہوتا۔ نہ صفائے قلب پر کوئی اثر پڑتا ہے، نہ اس میں کدورت آتی ہے چنانچہ حضرت حسن بصریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ مٹی ایمان کے محل (قلب) کو نہیں کھاتی۔ نفسِ علم قبول علم کی صلاحیت و استعداد اور صفائے قلبِ مؤمن کے لیے ضروری ہیں، اس کے بغیر اُخروی سعادت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یہ سعادتیں بھی مختلف ہوتی ہیں، جس طرح ہر مال رکھنے والے کو مالدار کہہ دیا جاتا ہے (۲) اسی طرح ہر صاحب سعادت کو سعید کہتے ہیں، ورنہ کیا ایک لاکھ درہم رکھنے والا ایک کروڑ درہم رکھنے والے کا ہم پلّہ ہو سکتا ہے۔ یہی حال سعادتوں کا ہے، بعض سعادت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوتے ہیں، بعض اس سے کم پر، اور بعض ادنیٰ درجے پر۔ سعادت کے یہ درجات معرفت و ایمان کے تفاوت کی وجہ سے ہیں۔

---

(۱) مسلم میں یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے، مگر اس میں "المتنزهون" کے بجائے "المستهترون" کا لفظ ہے۔ حاکم نے بھی اسی لفظ کے ساتھ روایت کی ہے۔ بوجھ ہلکا کرنے کا ذکر بیہقی میں ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔ "يضع الذكر عنهم اثقالهم ويأتون يوم القيامة خفافا" طبرانی کی روایت بھی یہی ہے (۲) روایات سے اس زیادتی کا ثبوت نہیں ملتا

معرفت نور ہے' آخرت میں باری تعالیٰ کی زیارت و ملاقات اس نور کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ قرآن پاک میں ہے:۔

نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ (پ۲۸ر۲۰ آیت ۸)

ان کا نور ان کے داہنے اور ان کے سامنے دوڑتا ہو گا۔

روایات میں ہے کہ لوگوں کو اس نور کی یکساں مقدار عطا نہیں ہو گی' بعض لوگوں کو پہاڑ کی مانند نور ملے گا' بعض کو اس سے کم اور ایک شخص کو اس کے پاؤں کے انگوٹھے کے بقدر نور عطا ہو گا' وہ نور کبھی چمکنے لگے گا' اور کبھی بجھ جائے گا' جب چمکے گا تو وہ شخص آگے کی طرف قدم بڑھائے گا' جب بجھ جائے گا تو اسی جگہ کھڑا رہے گا' پل صراط سے بھی لوگ اپنے نور کی روشنی میں گذریں گے۔ جس قدر زیادہ نور ہو گا اسی سرعت کے ساتھ ان کا گذر ہو گا' کوئی پلک جھپکتے ہی گذر جائے گا۔ کوئی بجلی کی طرح کوئی بادل کی طرح' کوئی شہاب کی طرح' اور کوئی تیز رفتار گھوڑے کی طرح گذر جائے گا' جس شخص کے صرف انگوٹھوں پر نور ہو گا وہ اپنے جسم کو گھسیٹتا چلے گا' ایک ہاتھ کو گھسیٹے گا تو دوسرا ہاتھ رہ جائے گا' اس کے چاروں طرف آگ ہو گی' اور وہ اس میں جھلستا ہوا پل عبور کرے گا اس روایت سے لوگوں کے ایمان کا تفاوت معلوم ہوتا ہے۔ اس کی روشنی میں وہ روایت دیکھنی چاہئے جس میں آیا ہے کہ اگر حضرت ابو بکرؓ کے ایمان کا پیغمبروں کے علاوہ تمام اہل دنیا کے ایمان سے موازنہ کیا جائے تو حضرت ابو بکرؓ کا ایمان راجح ہو گا۔ محسوسات میں اس کی مثال یہ ہے کہ اگر آفتاب کی روشنی کا دنیا کے تمام چراغوں کے نور سے موازنہ کیا جائے تو آفتاب کو ترجیح حاصل رہے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کا ایمان چراغ کی روشنی کی طرح ہے' بعض کا شمع کی روشنی کی مانند ہے' صدیقین کے ایمان کی روشنی چاند ستاروں کے نور کی مثال ہے' اور انبیاء و مرسلین کا ایمان آفتاب کی طرح روشن ہے۔ نیز جس طرح سورج کی روشنی تمام اکناف عالم میں...... ان کی وسعت کے باوجود...... پھیل جاتی ہے اور چراغ گھر کے ایک مختصر حصے کو روشن رکھ سکتا ہے اسی طرح عارفین کے قلوب اتنے منشرح اور وسیع ہو جاتے ہیں کہ ملک کے اسرار' اور کائنات کے رموز اپنی تمام وسعتوں کے باوجود ان میں سما جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے:۔

يقال يوم القيامة اخرجوا من النار من كان في قلبه مثقال ذرة من ايمان ونصف مثقال وربع مثقال وشعيرة وذرة

قیامت کے روز کہا جائے گا کہ ان لوگوں کو دوزخ سے باہر نکالو جن کے دلوں میں ایک مثقال کے برابر' یا نصف مثقال کے برابر' یا چوتھائی مثقال کے برابر یا جو کے برابر یا ذرہ بھر ایمان ہو۔

اس روایت سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایمان کے درجات میں تفاوت ہے' وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایمان کی یہ مقداریں دخول نار سے مانع نہیں ہیں' نیز یہ بھی پتا چلتا ہے کہ جس شخص کے دل میں ایک مثقال سے زیادہ ایمان ہو گا وہ دوزخ میں نہیں جائے گا' کیوں کہ اگر وہ دوزخ میں جاتا تو اس کے لیے بھی یہی حکم ہوتا' اس روایت سے اس امر پر بھی تنبیہہ ہوتی ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرّہ برابر بھی ایمان ہو گا وہ اگرچہ دوزخ میں جائے گا لیکن اس میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ہے:

ليس شئ خير من الف مثله الا الانسان المؤمن (طبرانی۔ سلمانؓ)

صاحب ایمان کے علاوہ کوئی چیز اپنی جیسی ہزار چیزوں سے افضل نہیں ہے۔

اس میں بتلایا گیا ہے کہ اللہ کی معرفت رکھنے والا' اور اس کا کامل یقین رکھنے والا قلب ہزار لوگوں کے قلب سے بہتر ہوتا ہے۔

---

(۱) یہ روایت طبرانی اور حاکم نے ابن مسعودؓ سے نقل کی ہے' حاکم نے اسے شیخین کی شرائط کے مطابق قرار دیا ہے۔ (۲) بخاری و مسلم بروایت ابو سعید الخدریؓ۔ مگر اس میں ربع مثقال کا ذکر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (پ ۴ ر ۵ آیت ۱۳۹)

اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مؤمن رہے۔

اس میں اہل ایمان کو مسلمانوں پر برتری کی بشارت سنائی گئی ہے' مؤمن سے مراد یہاں عارف ہے مقلّد نہیں ہے' ایک جگہ ارشاد فرمایا:

يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (پ ۲۸ ر ۲ آیت ۱۱)

اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے اور (ایمان والوں میں) ان لوگوں کے جن کو علم (دین) عطا ہوا (اُخروی) درجے بلند کرے گا۔

اس آیت میں ایمان لانے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے علم کے بغیر تصدیق کی' اسی لیے انہیں اہل علم سے الگ ذکر کیا گیا ہے' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لفظ مؤمن مقلد کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے اگرچہ اس کی تصدیق کشف و بصیرت کے بغیر ہو' آیت کے دوسرے جزء (الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ) کی تفسیر حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کو مؤمن پر سات سو درجات کی فضیلت عطا کی ہے' اور ہر درجے میں زمین و آسمان کے برابر فاصلہ ہے' ایک روایت میں ہے:

أكثر أهل الجنة البله وعليون لذوي الألباب

اہلِ جنت کی اکثریت بھولے بھالے لوگوں پر مشتمل ہوگی اور علیین (جنت کے درجات) عقل والوں کے لیے ہیں۔

ایک حدیث میں عابد پر عالم کی فضیلت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

فضل العالم على العابد كفضلي على أدنى رجل من أصحابي (ترمذی ابو امامہؓ)

عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے میری فضیلت ادنیٰ اصحابی پر۔

ایک روایت میں اس طرح تشبیہ دی گئی ہے:

كفضل القمر ليلة البدر على سائر الكواكب (حوالہ سابق)

جیسے چودھویں رات کے چاند کے فضیلت تمام ستاروں پر۔

ان تمام روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ جنت کے درجات کا یہ فرق ان کے قلوب و معارف کے تفاوت کی وجہ سے ہوگا۔ اسی لیے قیامت کے دن کو یومُ التغابن (گھاٹے کا دن) بھی کہا جاتا ہے' جو شخص اللہ کی رحمت سے محروم ہوگا اس کے گھاٹے اور نقصان میں کیا شبہ ہے' وہ لوگ بھی نقصان میں رہیں گے جن کے درجات کم ہوں گے' وہ اپنے سے اوپر درجے والوں کو دیکھ کر حسرت کریں گے' اور کہیں گے کہ کاش ہم نے بھی ایسے ہی عمل کئے ہوتے' یہ نقصان نہ اٹھانا پڑتا آخرت کے بڑے درجات اور بڑی فضیلتیں ہیں۔

طریقۂ تصوّف کی صحت پر شرعی دلائل

اہلِ تصوّف تعلیم اور معتاد طریقے کے مطابق معرفت کا اکتساب نہیں کرتے ان کا یہ طریقہ صحیح ہے یا نہیں؟ شرعی دلائل

یہ روایت آخر الفاظ کے اضافے کے بغیر پہلے بھی گذر چکی ہے' مجھے اس زیادتی کی کوئی اصل نہیں ملی۔

سے اس کی تائید ہوتی ہے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب ہی ہماری اس گفتگو کا موضوع ہے۔
جس شخص کے دل میں بے خبری میں اور بطریق الہام کوئی امر منکشف ہو جائے وہ طریق صحت کی رو سے عارف کہلائے گا۔ جسے اس طرح کا کوئی الہام یا کشف نہ ہوا سے بھی اس پر ایمان لانا چاہئے کیونکہ معرفت انسان کا فطری تقاضا ہے' اس پر شرعی دلائل بھی موجود ہیں' اور تجربات و حکایات کے شواہد بھی۔

شرعی دلائل : چند شرعی دلائل یہ ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:
وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (پ۲۱ ر۳ آیت ۶۹)
اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے رستے ضرور دکھائیں گے۔
ہر وہ حکمت جس کا ظہور قلب سے عبادت پر مواظبت کی بنا پر' تعلّم کے بغیر ہو وہ کشف و الہام کے طریقے پر ہوتا ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من عمل بما علم ورثه الله علم مالم يعلم ووفقه فيما يعمل حتى يستوجب الجنة ومن لم يعمل بما يعلم تاه فيما يعلم ولم يوفق فيما يعمل حتى يستوجب النار

جو شخص اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ان چیزوں کا علم عطا کر دیتا ہے جنہیں وہ نہیں جانتا' اور اسے عمل خیر کی توفیق دیتا ہے یہاں تک کہ وہ سزاوار جنت ہو جائے' اور جو شخص اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا وہ اپنے علم میں حیران رہتا ہے' اور اسے عمل میں خیر کی توفیق نہیں ہوتی یہاں تک کہ دوزخ کا مستحق ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (پ۲۸ ر۱۷ آیت ۲)
اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔
یعنی اہل تقویٰ کو اشکالات اور شبہات سے نجات دیتا ہے' اور بغیر اکتساب کے علم اور بغیر تجربے کے فطانت عطا فرماتا ہے۔
باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (پ۹ ر۱۸ آیت ۲۹)
اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے وہ تم کو ایک فیصلے کی چیز دے گا۔
اس آیت میں فرقان سے مراد وہ نور ہے جس سے حق و باطل میں امتیاز کیا جاتا ہے' اور جس کے ذریعہ شکوک و شبہات کے اندھیروں سے نکلا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اکثر دعاؤں میں نور کا سوال کیا کرتے تھے۔ ایک دعا کے الفاظ یہ ہیں:
اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ نُوْرًا وَزِدْنِيْ نُوْرًا وَاجْعَلْ لِيْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَفِيْ قَبْرِيْ نُوْرًا وَفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا (بخاری و مسلم۔ عبداللہ ابن عباس)
اے اللہ مجھے نور عطا فرما' میرا نور زیادہ کر' میرے قلب میں' میری قبر میں' میرے کانوں میں' میری

یہ روایت کتاب العلم میں گزر چکی ہے' لیکن وفقہ سے آخر تک کی زیادتی اس میں نہیں ہے

آنکھوں میں نور کردے۔

یہاں تک کہ آپ بال، کھال گوشت، خون اور ہڈی میں بھی نور کی دعا فرماتے۔ ایک مرتبہ آپ سے اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ کے حوالے سے شرح صدر کے معنی پوچھے گئے، آپ نے فرمایا: یہاں شرح صدر سے مراد توسّع اور کشادگی ہے، اس لیے کہ جب نور دل میں ڈال دیا جاتا ہے تو اس کے لیے سینہ کشادہ و فراخ ہو جاتا ہے۔ آپ نے حضرت عبداللہ ابن عباس کے لیے یہ دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْہُ التَّاْوِیْلَ[2] اے اللہ اسے دین میں فقیہ بنا دے۔ اور تفسیر آیات کا علم عطا فرما۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں چھپا کر دی ہو، الّا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو اپنی کتاب کی فہم عطا کر دیتے ہیں[3]۔ فہم کتاب تعلّم سے نہیں آتا۔ آیت کریمہ:

یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ (پ ۳ ر ۵ آیت ۲۶۹)

دین کا فہم جسے چاہے دے دیتے ہیں۔

میں بعض مفسّرین کے نزدیک حکمت سے مراد کتاب اللہ کا فہم ہے۔ حضرت سلیمانؑ کے بارے میں فرمایا گیا:

فَفَھَّمْنٰھَا سُلَیْمٰنَ (پ ۱۷ ر ۶ آیت ۷۹)

سو ہم نے اس کی سمجھ سلیمان کو دے دی۔

حضرت سلیمان علیہ الصّلوٰۃ والسلام کو جو باتیں از روئے کشف و الہام معلوم ہوئیں انہیں فہم سے تعبیر کیا گیا ہے، حضرت ابو الدرداءؓ ارشاد فرماتے تھے کہ مؤمن وہ ہے جو اللہ کے نور کی مدد سے پردے کے پیچھے چھپی ہوئی چیز دیکھ لے۔ خدا کی قسم یہ بات سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے دلوں میں حق بات ڈال دیتا ہے، اور ان کی زبانوں پر جاری کر دیتا ہے، بعض اکابرین سلف فرماتے ہیں کہ مؤمن کا گمان کہانت ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللّٰہ (ترمذی۔ ابو سعید)

مؤمن کی فراست سے ڈرو، اس لیے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

اس حقیقت کی طرف ان دونوں آیتوں میں اشارہ کیا گیا ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ (پ ۱۴ ر ۵ آیت ۷۵)

اس میں کئی نشانیاں ہیں اہل بصیرت کے لیے۔

قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ (پ ۱ ر ۱۴ آیت ۱۱۸)

ہم نے تو بہت سی دلیلیں صاف صاف بیان کر دی ہیں (مگر وہ) ان لوگوں کے لیے (نافع ہیں) جو یقین چاہتے ہیں۔

حضرت حسنؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

العلم علمان، فعلم باطن فی القلب فذالک ھو العلم النافع

علم کی دو قسمیں ہیں، ایک علم باطنی ہے جو دل میں ہوتا ہے یہی علم نفع دینے والا ہے۔

---

[1] یہ روایت مستدرک میں ابن مسعودؓ سے منقول ہے، اور احیاء العلوم کی کتاب العلم میں بھی گزر چکی ہے [2] یہ روایت بخاری و مسلم میں ابن عباسؓ سے منقول ہے، علمہ التاویل کی زیادتی احمد، ابن حبان اور حاکم میں ہے۔ [3] یہ روایت بھی کتاب العلم میں گزر چکی ہے

کسی عالِم سے باطنی علم کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سرّ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب دلوں میں ڈال دیتا ہے' نہ اس کی خبر کسی فرشتے کو ہوتی ہے' اور نہ انسان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

ان من امتی محدثین و معلمین و مکلمین وان عمر منهم

میری امّت میں محدّثین' معلمین' اور متکلمین ہیں' عمرؓ کا شمار بھی ان میں ہوتا ہے۔

باری تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ (پ ۱۷ ر ۱۴ آیت ۵۲)

اور ہم نے آپ سے قبل کوئی نبی کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا الخ۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اس آیت میں "ولا محدث" کا اضافہ کر کے پڑھتے تھے' محدِّث ملہم کو کہتے ہیں اور ملہم وہ شخص ہے جس کے قلب میں اندرونی طور پر انکشافات ہوں' خارجی محسوسات کے راستے سے نہ ہوں' قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ یہ اعلان کیا ہے کہ تقویٰ ہدایت اور کشف کی کنجی ہے۔ فرمایا:

وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ (پ ۱۱ ر ۶ آیت ۶)

اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان سب میں ان لوگوں کے واسطے دلائل ہیں ڈر مانتے ہیں۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ (پ ۴ ر ۵ آیت ۱۳۸)

یہ بیان (کافی ہے) تمام لوگوں کے لیے اور ہدایت اور نصیحت ہے خاص خدا سے ڈرنے والوں کے لیے۔

ان آیات میں فکر' بیان' ہدایت' اور عبرت و موعظت کو متقین کے ساتھ مخصوص فرمایا گیا ہے' ابویزید کہتے ہیں کہ وہ عالم نہیں ہے جو کسی کتاب سے کچھ یاد کرلے اور جب بھول جائے تو جاہل رہ جائے' بلکہ عالم وہ ہے جو اپنے رب سے جب چاہتا ہے درس و حفظ کے بغیر علم حاصل کرلیتا ہے' یہی علم ربّانی ہے' اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ کیا گیا ہے:

وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (پ ۱۵ ر ۲۱ آیت ۶۵)

اور ہم نے ان کو اپنے پاس سے علم سکھایا تھا۔

یوں تو تمام علوم باری تعالیٰ کی طرف سے ہیں' لیکن فرق یہ ہے کہ بعض لوگوں کو مخلوق کے واسطے سے تعلیم دی جاتی ہے۔ اسے علم لدنی نہیں کہتے' علم لدنی وہ علم کہلاتا ہے جو کسی خارجی معتاد سبب کے بغیر دل میں حاصل ہوجائے۔ اس طرح کے نقلی دلائل بے شمار ہیں' اگر ان سب کا احاطہ کیا جائے تو تنگ دامانی صفحات کا عذر پیش آجائے۔

<u>تجربات کی شہادت</u> : اس سلسلے میں تجربات بھی اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا صحابہؓ و تابعینؒ اور بعد کے بہت سے بزرگوں کو اس کا تجربہ ہوا کہ بہت سے علوم باری تعالیٰ کی طرف سے ظاہری اسباب کے بغیر براہِ راست دلوں میں اِلقاء کئے جاتے ہیں' چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی وفات کے وقت حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا کہ تیرے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں اس وقت آپ کی اہلیہ حمل سے تھیں' بعد میں لڑکی پیدا ہوئی' حضرت ابوبکرؓ نے پیدائش سے پہلے ہی یہ جان لیا تھا کہ لڑکی ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ منورہ میں خطبہ دیتے ہوئے بآواز بلند کہا: یاساریۃ الجبل الی الجبل (لشکر والو! پہاڑ کی طرف چلے جاؤ) یہ واقعہ ایک جنگ کے موقع پر پیش آیا' حضرت عمرؓ نے ازروئے کشف یہ بات معلوم کرلی تھی کہ دشمن مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔

یہ روایت کتاب العلم میں گذری ہے۔ بخاری بروایت ابوہریرہؓ مسلم بروایت عائشہؓ

اس لیے انہوں نے لشکر کو خبردار کیا اور اسے پہاڑ کی آڑ میں ہو جانے کا مشورہ دیا' اس آواز کا اتنے فاصلے پر پہنچنا' اور لشکر والوں کا اسے سُن لینا بھی عظیم کرامت ہے انس ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عثمانؓ کی خدمت میں جا رہا تھا راستے میں میری نظر ایک عورت پر پڑی' میں نے اسے دیکھا' اور اس کے حسن و جمال کا اچھی طرح مشاہدہ کیا' جب میں حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بعض لوگ میرے پاس ایسے آتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے زنا کا اثر جھلکتا ہے' پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کیا تجھے معلوم نہیں کہ آنکھ کا زنا دیکھنا ہے' یا تو توبہ کر' ورنہ میں تجھے سزا دوں گا۔ میں نے عرض کیا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرما لینے کے بعد بھی وحی کا سلسلہ جاری ہے' آپ نے فرمایا: نہیں' بلکہ یہ مؤمنانہ بصیرت اور سچّی فراست ہے۔ ابو سعید الخراز کہتے ہیں کہ میں مسجد حرام میں داخل ہوا' وہاں میری نظر ایک ایسے فقیر پر پڑی جس کے جسم پر دو خرقے تھے' میں نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ اور اس جیسے دوسرے لوگ بنی نوع انسان کے کاندھوں پر بوجھ کی حیثیت رکھتے ہیں' اس نے مجھے آواز دی' اور یہ آیت پڑھی:

وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ فَاحْذَرُوْہُ (پ ۲ ر ۱۴ آیت ۲۳۵)

اور یقین رکھو اس کا کہ اللہ تعالیٰ کو اطلاع ہے تمہارے دلوں کی بات کی سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔

یہ آیت سُن کر میں اپنے قصور پر نادم ہوا اور دل ہی دل میں اس گناہ کی معافی چاہی' اس شخص نے پھر مجھے مخاطب کیا' اور اس مرتبہ یہ آیت پڑھ کر غائب ہو گیا۔

هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ (پ ۱۱ ر ۲ آیت ۱۰۴)

وہ (ہی) اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

زکریا ابن داؤد کہتے ہیں کہ ابو العباس ابن مسروق' ابو الفضل ہاشمی کے گھر گئے' وہ اس وقت بیمار تھے' بیچارے کثیر العیال ہونے کے ساتھ ساتھ گذر بسر کے ظاہری اسباب سے بھی محروم تھے' جب ابو العباس ان کے پاس سے اٹھنے لگے تو انہوں نے دل میں سوچا کہ خداوندا یہ شخص کہاں سے کھاتا ہو گا' اور اس کے بچے کس طرح زندگی گذارتے ہوں گے۔ ابو العباس کہتے ہیں کہ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ابو الفضل ہاشمی نے چیخ کر کہا کہ ابو العباس! خبردار! اس طرح کی بے ہودہ بات آئندہ مت سوچنا' اللہ تعالیٰ کے مخفی الطاف و عنایات بھی ہوتے ہیں۔ احمد نقیب بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت شبلیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ اے احمد اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو فتنے میں مبتلا کر دیا ہے میں نے عرض کیا "حضرت! کیا بات ہے؟" فرمایا ابھی میں بیٹھا ہوا یہ سوچ رہا تھا کہ تم بخیل ہو' احمد کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: نہیں! میں بخیل نہیں' اس کے بعد آپ کچھ دیر سوچتے رہے' پھر فرمایا: بلاشبہ تم بخیل ہو۔ میں نے اپنے دل میں طے کیا کہ جو کچھ آج مجھے ملے گا وہ میں اس فقیر کو دے دوں گا جو سب سے پہلے نظر آئے گا' ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک شخص میرے پاس پچاس دینار لے کر آیا' اور کہنے لگا کہ یہ دینار تم اپنی ضرورت میں خرچ کرنا۔ میں وہ دینار لے کر کسی فقیر کی تلاش میں باہر نکلا' اتفاق سے پہلا فقیر مجھے ایک نائی کی دکان پر سر منڈاتے ہوئے نظر آیا' میں نے دینار کی تھیلی فقیر کی طرف بڑھائی' فقیر نے نائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ مال اسے دے دو' میں نے کہا جناب یہ پوری پچاس دینار ہیں' اس نے کہا پھر کیا بات ہے' ہم نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم بخیل ہو' میں نے وہ تھیلی نائی کو دینی چاہی' نائی نے کہا کہ جب یہ فقیر ہمارے سامنے بیٹھے تھے تو ہم نے یہ عہد کر لیا تھا کہ ان سے اُجرت نہیں لیں گے' میں نے وہ دینار دجلہ کی نذر کر دیئے' اور کہنے لگا کہ جو شخص تمہاری عزت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کرتا ہے۔ حمزہ بن عبداللہ علویؒ کہتے ہیں کہ میں ابو الخیر تینانی کے دولت کدے پر حاضر ہوا' اس وقت میرے دل میں یہ خیال تھا کہ میں صرف سلام و دعا کے بعد واپس آ جاؤں گا' کھانا نہیں کھاؤں گا جب میں ملاقات کے بعد باہر آیا تھا میں نے دیکھا کہ ابو الخیر تینانی میرے پیچھے پیچھے کھانا لئے چلے آ رہے ہیں' میں ٹھہر گیا' انہوں نے مجھ سے کہا! عزیز! لو اَب کھاؤ' میرے خیال میں تمہارا عہد میرے گھر نہ کھانے کا تھا' اور اب تم گھر سے باہر آ چکے ہو۔

ابوالخیر تینانی کی کرامات بڑی مشہور تھیں۔ چنانچہ ابراہیم رقی اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ان سے ملاقات کے لیے گیا، مغرب کی نماز انہوں نے پڑھائی، مجھے اس پر بڑی حیرت ہوئی کہ انہوں نے سورۂ فاتحہ بھی صحیح طریقے سے نہیں پڑھی تھی میں نے دل میں سوچا کہ میرا مقصد سفر فوت ہو گیا، نماز کے بعد میں قضائے حاجت کے لیے باہر نکلا تو ایک شیر نے مجھ پر حملہ کرنا چاہا میں اُلٹے پاؤں واپس آیا، اور میزبان سے عرض کیا کہ باہر شیر موجود ہے، اور میرے درپئے آزار ہے، انہوں نے وہیں سے شیر کو للکارا کہ ہم نے تجھ سے کہہ دیا تھا کہ ہمارے مہمانوں کو نہ ستایا کر، شیر نے ان کی آواز سنی تو سر پر پاؤں رکھ کر جنگل کی طرف بھاگا، اور میں نے اطمینان کے ساتھ اپنی ضرورت پوری کی، واپس آیا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم نے اپنے ظاہر کو سیدھا کیا اس لیے تم شیر سے ڈرتے ہو، ہم نے اپنے باطن کو سیدھا کیا ہے اس لیے شیر ہم سے ڈرتا ہے۔

اس طرح کے واقعات بے شمار ہیں جن سے بزرگانِ اُمت، اور صلحائے دین کی مؤمنانہ فراست کا ثبوت ملتا ہے، لوگوں کے دلوں کا حال جاننا، ان کے خیالات سے آگاہ کر دینا، حضرت خضر علیہ السلام سے ملنا اور گفتگو کرنا یا غیبی ہواتف سننا اور مخفی اشارے سمجھنا۔ یہ سب وہ امور ہیں کہ ان کے بارے میں اَن گنت حکایات زبان زدِ عوام و خواص ہیں، لیکن اس شخص کے لیے یہ واقعات و حکایات کافی نہیں ہیں جس کا شیوہ ہی انکار ہو، جب تک خود اس کے نفس میں اس کا مشاہدہ نہ ہو گا وہ جریات کا انکار کرتا رہے گا۔

دو ناقابلِ انکار دلیلیں : ہمارے پاس دو دلیلیں ایسی ہیں کہ ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں سے ایک کا تعلق عجیب و غریب سچے خوابوں سے ہے ان خوابوں کے ذریعہ غیب کی بہت سی باتیں منکشف ہو جاتی ہیں، اگر نیند کی حالت میں احوال منکشف ہو سکتے ہیں تو بیداری کی حالت میں منکشف ہونا بھی محال نہیں ہے۔ اس لیے کہ جس طرح نیند کی حالت میں حواس ساکن ہو جاتے ہیں۔ اور ظاہری محسوسات میں مشغول نہیں رہتے، اسی طرح بعض اوقات بیداری کی حالت میں بھی آدمی کی توجہ سمٹ کر ایک نقطے پر مُرتکز ہو جاتی ہے، نہ وہ آواز سنتا ہے، نہ کوئی حرکت محسوس کرتا ہے، نہ کسی چیز کی طرف دیکھتا ہے، بلکہ اپنی خیال و فکر میں پوری طرح مُحو رہتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل کے بارے میں بہت سی غیب کی خبریں بتلائیں جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے جب نبی غیب کی باتیں بتلا سکتا ہے تو غیر نبی کے لیے بھی اس کا امکان ہے، کیوں کہ نبی اس شخص کو کہتے ہیں جس کو حقائقِ امور مکاشفہ سے معلوم ہوں اور وہ خلق کی اصلاح میں مشغول ہو، یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص ایسا ہو کہ جس پر حقائقِ امور تو منکشف ہوں لیکن وہ اصلاح خلق میں مشغول نہ ہو، یہ شخص نبی نہیں کہلاتا بلکہ ولی کہلاتا ہے۔

جو شخص انبیاء پر ایمان رکھتا ہے، اور سچے خوابوں کا اعتراف کرتا ہے اسے لامحالہ یہ اقرار بھی کرنا پڑے گا کہ قلب کے دو دروازے ہیں ایک خارجی محسوسات کی طرف کھلتا ہے، اور ایک عالم ملکوت کی طرف، یہ الہام، القاء اور وحی کا دروازہ ہے، اگر ان دونوں دروازوں کا اقرار کر لیا تو اب یہ ممکن نہیں کہ وہ علوم کو تعلم اور تحصیل علم کے معتاد اسباب پر منحصر رکھے بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض علوم مجاہدہ و ریاضت کے نتیجے میں حاصل ہوں۔

خواب میں امور کا انکشاف کیوں ہوتا ہے؟ اور فرشتے انبیاء اور اولیاء کے سامنے مختلف صورتوں میں کیوں آتے ہیں؟ ان دونوں سوالوں کا جواب قلب کے عجائب اسرار سے ہے اور یہ علم مکاشفہ کا موضوع ہے، اس موضوع سے متعلق جو کچھ یہاں بیان کیا گیا وہ مجاہدہ کی ترغیب کے لیے بہت کافی ہے۔ ایک صاحب کشف بزرگ فرماتے ہیں کہ مجھ سے فرشتوں (کراماً کاتبین) نے کہا کہ آپ اپنے ذکرِ خفی اور مشاہدہ توحید کا کچھ حال لکھ کر ہمیں دے دیں، ہم آپ کے اعمال لکھتے نہیں ہیں۔ اگر آپ لکھ دیں تو ہم وہی صحیفہ لے کر آسمان پر چلے جائیں ہماری خواہش ہے کہ آپ اس عمل کی نشاندہی ضرور فرمائیں جس کے ذریعہ آپ باری تعالیٰ کا تقرّب حاصل کرتے ہیں، میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا تم فرائض بھی نہیں لکھتے؟ انہوں نے جواب دیا: فرائض تو لکھتے ہیں۔ میں نے کہا: بس تمہارے لیے اسی قدر لکھنا کافی ہے معلوم ہوا کہ کراماً کاتبین بھی قلب کے اسرار سے واقف نہیں ہو پاتے انہیں صرف ظاہری اعمال کا علم رہتا ہے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے ایک ابدال سے مشاہدۂ یقین کے بارے میں سوال کیا تو انہوں

نے پہلے اپنی بائیں جانب دیکھ کر پوچھا! کیوں بھائی کیا کہتے ہو' اللہ تم پر رحم کرے' پھر دائیں جانب متوجہ ہوئے اور یہی الفاظ کہے' اس کے بعد مجھے ایسا عجیب و غریب جواب دیا جو اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں سنا تھا۔ پھر میں نے ان سے دائیں اور بائیں طرف متوجہ ہونے کی وجہ معلوم کی' فرمایا کہ مجھے تمہارے سوال کا جواب معلوم نہیں تھا' اس لیے پہلے میں نے بائیں طرف کے فرشتے سے پوچھا اس نے لاعلمی ظاہر کی' دائیں جانب کے فرشتے سے دریافت کیا اس نے بھی نفی میں جواب دیا پھر میں نے اپنے دل سے دریافت کیا' اس نے جو کچھ بتلایا وہ میں نے تمہارے گوش گذار کردیا ہے حدیث شریف "ان فی امتی محدثین وان عمر منهم" کے مصداق یہی لوگ ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ایما عبد اطلعت علی قلبه فرایت الغالب علیه التمسک بذکری تولیت سیاسته وکنت جلیسه ومحادثه وانیسه

میں جس بندے کے دل پر اپنے ذکر کا تمسک غالب پاتا ہوں اس کی سیاست کا منتظم ہو جاتا ہوں اور اس کا ہم نشین' ہم کلام اور انیس بن جاتا ہوں۔

ابو سلیمان دارانی کہتے ہیں کہ قلب کی مثال ایک گنبد کی سی ہے جس کے چاروں طرف بند دروازے ہیں ان میں سے جو دروازہ کھل جاتا ہے وہ اس میں کام کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قلب کے دروازوں میں سے ایک دروازہ عالم ملکوت اور ملأ اعلیٰ کی طرف بھی کھلتا ہے' یہ دروازہ مجاہدہ' تقویٰ' اور دُنیوی شہوتوں سے اعراض و انحراف کے بغیر وا نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی فوج کے افسروں کے نام ایک مکتوب میں یہ ہدایت کی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جو کچھ تم سے کہیں وہ یاد رکھا کرو' اس لیے کہ ان پر اُمورِ صادقہ منکشف ہوتے ہیں بعض علماء کہتے ہیں کہ حکماء کے منہ پر باری تعالیٰ کا ہاتھ ہے' ان کے منہ سے صرف وہ بات نکلتی ہے جسے اللہ نے حق قرار دے دیا ہو۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں یہ دعویٰ کرسکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاشعین پر بعض اسرار منکشف فرمادیتے ہیں۔

وَسوسوں کے ذریعہ دل پر شیطان کا غلبہ

وسوسے کے معنیٰ اور غلبۂ شیطان کے اسباب

ابھی قلب کو ایک ایسے گنبد سے تشبیہ دی گئی ہے جس کے بہت سے دروازے ہیں' اور ہر دروازے سے احوال کی آمد و رفت کا عمل جاری ہے اسی نوعیت کی بے شمار مثالیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ قلب ایک ہدف (وہ تختہ جس پر نشانے کی مشق کی جائے) ہے جس پر چاروں طرف سے تیروں کی بارش ہوتی ہے یا وہ ایک آئینہ ہے جس میں طرح طرح کی صورتیں یکے بعد دیگرے منعکس ہوتی ہیں' اور کوئی لمحہ خالی نہیں جاتا' یا وہ ایک حوض ہے جس میں ان مختلف نالیوں سے پانی آجاتا ہے جو اس کے ارد گرد بنائی گئی ہیں اور جن سے اس کا سلسلہ جوڑ دیا گیا ہے۔ قلب میں ان نوبہ نو آثار کا ظہور اور وُرود ظاہری حواس کے ذریعہ بھی ہوتا ہے اور باطنی حواس کے ذریعہ بھی۔ چنانچہ خیال' شہوت' غضب اور دوسرے اخلاق ان ہی مختلف آثار و کیفیات کے نام ہیں۔ دل میں تغیر کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے' چنانچہ کسی چیز کو حواس سے معلوم کیا جائے تو اس سے دل میں اثر پیدا ہوگا اسی طرح اگر غذا کی کثرت' اور مزاج کی قوت کی وجہ سے شہوت کو تحریک ہو تو اس سے بھی دل متاثر ہوگا' قلب کے خیالات بدلتے رہتے ہیں' دل ایک خیال سے دوسرے خیال کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ یہی دل کے تغیر کا مطلب ہے۔ اَفکار و اَذکار کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ان آثار کو خواطر کہتے ہیں' فکر و ذکر سے مراد وہ علوم ہیں جن کا قلب ادراک کرے' خواہ وہ نئے ہوں یا پہلے ہوں کہ ان کا تذکر ہو' خواطر کا نام خواطر اس لیے رکھا جاتا ہے کہ وہ دل پر طاری ہوتے ہیں جب کہ وہ ان سے غافل ہوتا ہے۔ انہی خواطر سے ارادوں کو تحریک ملتی ہے اس لیے

کہ نیت' عزم اور ارادہ کسی خیال کے دل میں گذرنے کے بعد ہی ہوتا ہے افعال کی ابتدا خواطر سے ہوتی ہے' خاطر سے رغبت کو' رغبت سے عزم کو' عزم سے نیت کو' اور نیت سے اعضاء کو تحریک ملتی ہے۔

خواطر کی دو قسمیں' الہام اور وسوسہ : پھر رغبت کو تحریک دینے والے خواطر کی دو قسمیں ہیں' ایک وہ خاطر ہے جس سے شر یعنی اس امر کی دعوت ملے جو عاقبت کے لیے مُضر ہو' اور دوسرا خاطر وہ ہے جو خیر یعنی اس امر کا داعی ہو جس سے آخرت میں نفع ہو' اس طرح یہ دو مختلف خاطر ہوئے اور ان دونوں کے نام بھی الگ الگ ہیں۔ محمود خاطر کا نام الہام اور مذموم خاطر کا نام وسوسہ ہے یہ بات آپ جانتے ہی ہیں کہ یہ خواطر حوادث ہیں' اور حوادث کے لیے مُحدِث (بانی) کا ہونا ضروری ہے اور کیوں کہ حوادث مختلف ہوتے ہیں' ان کا اختلاف یہ بتلاتا ہے کہ حوادث کے اسباب بھی مختلف ہوں گے اسباب اور مسببات کی ترتیب میں سنت اللہ اسی طرح جاری و ساری ہے' جیسا سبب ہوتا ہے ویسا ہی اس کا مسبّب ہوتا ہے' چنانچہ اگر کسی کمرے میں آگ جلائی جائے اور اس کی روشنی سے کمرے کی دیواریں روشن اور دھویں سے چھت سیاہ ہو جائے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ چھت کی سیاہی کا سبب روشنی ہے' اسی طرح دل کے نور اور سیاہی کے اسباب بھی جُداگانہ ہیں اس خاطر کے سبب کا نام فرشتہ ہے جو داعی خیر ہے' اور اس خاطر کے سبب کو شیطان کہتے ہیں جو شر کا داعی ہے۔ وہ لطافت و رقت جس سے قلب میں خیر کے الہام کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے توفیق کہلاتی ہے' اور جس سے شیطانی وسوسوں کے قبول کرنے پر مدد ملے اسے خذلان کہتے ہیں۔ معانی کے اختلاف سے الفاظ بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔

فرشتہ و شیطان : فرشتے سے مراد وہ مخلوق ہے جسے اللہ تعالٰی نے خیر پھیلانے' علم کی روشنی عام کرنے' حق کا انکشاف کرنے' خیر کا وعدہ کرنے اور امر بالمعروف کرنے کے لیے پیدا کیا ہے' فرشتہ اپنے ان ہی کاموں کے لیے مسخر ہے۔ اور شیطان سے مراد وہ مخلوق ہے جو مذکورہ بالا امور میں فرشتے کی ضد ہو' یعنی وہ شر کا وعدہ کرے' بُرائیوں کی دعوت دے' اور خیر پر آمادہ نظر آنے والے کو ڈرائے' اس سے معلوم ہوا کہ وسوسہ الہام کے مقابلے میں' شیطان فرشتے کے مقابلے میں اور خذلان توفیق کے مقابلے میں ہے' اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ (پ ۲۷ ر ۲ آیت ۴۹)

اور ہم نے ہر چیز کو دو دو قسم بنائی۔

یعنی تمام موجودات ایک دوسرے کے مقابل اور جوڑے ہیں' سوائے خداوند قدوس کے وہ یکتا ہے' اس کا کوئی مقابل نہیں' وہ ایک ہے' برحق ہے' اور تمام جوڑوں کا خالق ہے۔

فرشتہ اور شیطان دونوں ہی قلب کو اپنی اپنی طرف کھینچنے میں مصروف رہتے ہیں' چنانچہ روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

فی القلب لمتان' لمة من الملک ایعاد بالخیر و تصدیق بالحق' فمن وجد ذالک فلیعلم انه من الله سبحانه و لیحمد الله و لمة من العدو و ایعاد بالشر و تکذیب بالحق' و نهی عن الخیر فمن وجد ذالک فلیستعذ بالله من الشیطان الرجیم (ثم تلا هذه الآیة) اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ

(ترمذی' نسائی۔ ابن مسعودؓ)

دل میں دو قربتیں ہیں ایک فرشتے کی قربت ہے جس کا کام خیر کا وعدہ کرنا اور حق کی تصدیق کرنا ہے' جس کو یہ معلوم ہو تو اسے جان لینا چاہئے کہ یہ خدا تعالٰی کی طرف سے ہے' اس پر خدا کا شکر ادا کرے' دوسری قربت